کون ہوں، کیا چاہتا ہوں

ملاذ العلماء مولانا سید حسن صاحب قبلہ

پیش پیش

اب سے ہزاروں سال پہلے انسان کی ذہنی حالت کیا تھی؟ آج کا ترقی یافتہ ذہن، خود گوشت و پوست کا زندہ جواب ہے۔ عرب میں ہی نہیں دینا کے ہر ہر گوشے میں بلا کی تاریکی، لا انتہا ظلمت کی حکمرانی تھی۔ ہاں انسان تھا، مگر انسانیت نہ تھی، انسان نما ایک مخلوق تھی۔

مادی خداؤں کے ساتھ ساتھ، توہمات، تخیلات، رسوم، خود ساختہ گندی تہذیب کے لاکھوں خدا ذہن انسانی کو جکڑے ہوئے تھے، عرب اس دور میں کسی سے پیچھے نہ تھا۔

اب سے چودہ سو سال پہلے، جہاں اور بہت سے رسمی خدا تھے، وہاں آدھی آدھی دنیا پر کچھ خدا اور بھی تھے۔ دولت وثروت کے خدا، ظلم واستبداد کے خدا، حرص وہوس کے خدا---ایک شام و مصر پر اپنی انگلیاں جمائے ہوئے، مٹھیاں جکڑے ہوئے تھے۔ یہ تھا ہرقل بادشاہ روم، دوسرا عراق و یمن پر قبضہ کئے، سینہ پر سوار، گرفت مضبوط کئے ہوئے! یہ تھا نوشیرواں بادشاہ ایران۔

بھلا کہاں ممکن تھا کہ دو درندے آدھے آدھے شکار پر سمجھوتہ کرلیں، ہر ایک کو اپنے خونی پنجوں، قاتل چنگلوں پر پورا پورا بھروسہ تھا، تو کیوں نہ زور آزمائیاں بھی ہوتیں، کیوں دست و گریباں نہ ہوتے، لہٰذا ہوتا بھی یہی تھا۔ کبھی عدالت کا روپ دھارے ہوئے نوشیرواں روم کے شہروں پر حملہ آور ہوتا، قتل وغارتگری کا بازار گرم ہوتا، انسانی خون سے ہولی کھیل کر روم کا کچھ حصہ اپنی عملداری میں داخل کرلیتا۔ اور کبھی مسیحیت کی نقاب ڈالے عیسائی قدیس ایرانی حلقۂ حکومت پر حملہ کرکے کچھ حصہ چھین لیتا۔ یہاں تک کہ ۶۱۱ء میں ایرانیوں نے رومیوں کے معروف شہر رہا کو چھین لیا۔ یہ شہر حلب سے ایک سو نوے ۱۹۰ر کلومیٹر پر واقع تھا۔ پھر ۶۱۳ء میں دمشق پر حملہ کیا اور ۶۱۴ء میں اورشلیم پر فتح پائی۔ کروڑوں اور اربوں کی دولت ہاتھ لگی جس میں بیت المقدس کی بیش بہا صلیب بھی شامل تھی۔

اس کے بعد ہرقل شہنشاہ روم ایک فوج لے کر ایرانیوں پر چڑھ دوڑا۔ اسی معرکۂ عظیم میں خود اس نے بھی داد شجاعت دی اور اپنی تمام چھنی ہوئی آراضی پھر قبضہ میں کی۔ قیمتی صلیب واپس لی۔ یہ تھا ہرقل، وہ تھا نوشیرواں۔ ایسا تھا پوپ، ایسا تھا عادل۔

کون ہوں

اسی سیاسی خلفشار کے دور میں عرب کے سب سے باعزت خاندان بنی ہاشم میں ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام تھا محمدؐ۔۔۔ ابھی کمسنی ہی تھی کہ ماں باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگیا۔ دادا نے پرورش و پرداشت کی ذمہ داری سنبھالی، مگر چنددنوں بعد دادا کی آغوش شفقت سے ہی محرومی ہوگئی۔ اب حقیقی چچا عمران (ابوطالبؑ) نے پرورش کرنا شروع کی۔

یہی بے سہارا بچہ، یتیم بچہ، مسلمانوں کے رسول محمد مصطفیٰؐ ہیں! اسی کمزور، ناتواں، لاوارث بچے نے پورے خود ساختہ نظام انسانی کے خلاف آواز اٹھائی، انسان کو انسان کے خون کی قیمت بتائی، کائنات میں انسانی قدر کو اجاگر کیا، توہمات ورسوم کی جکڑبندیوں سے ذہن انسانی کو آزادی دلانے کے لئے پوری پوری جدوجہد کی۔

خود ہی بتایئے؟ ہزاروں برس پرانا وہ قیدی جو قیدخانہ کو اپنا گھر، طوق وسلاسل کو اپنا زیور سمجھ چکا تھا، اپنی آزادی کے خلاف

کیا کچھ ہاتھ پیر نہ مارتا ہوگا؟ یہی وجہ تھی کہ ایک طرف تو قدامت پرست طبقہ، دوسری طرف پرانے نظام سے مادی فوائد حاصل کرنے والے، تیسری سمت پرانی مذہبی حیثیت کے دلدادہ اور چوتھی جانب حکومت وقت کی قوتین رسولؐ کے سامنے صف آرا ہوگئیں مگر نتیجہ کیا ہوا؟ فاستقم کما امرت کے حکم کے بعد قرآنی خزانہ، اخلاقیات وحیاتیات کا مکمل دستور لے کر کھڑے ہو گئے۔

دنیا نے دیکھ لیا کہ طوفان مخالف کے تند سے تند تھپیڑے بھی پیغمبرؐ کے ثبات قدم میں ذرا بھی کمی نہ پیدا کر سکے۔ اس لاوارث نے دماغ بنائے، دل وضع کئے، ذہنوں کی تعمیر کی، دنیا کو ایک نئی تہذیب سے روشناس بنایا۔

یہ تھے مسلمانوں کے رسول محمد مصطفیؐ! رسولؐ کی ایک بیٹی تھیں، جن کا نام تھا فاطمہؑ۔ یہ بھی اپنے حدود کے اندر پدر بزرگوار کے ساتھ تبلیغی کاموں میں برابر کی شریک تھیں اور پورے عالم انسانیت کی ایک مستقل صنف (عورتوں) کے لئے عملی راہبری ان کا فریضہ تھا۔

عہدے کی برتری، منصب کی اہمیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کی زندگی کا ساتھی بھی انہیں جیسا اسلام کا اہم کردار ہو؟ ایسا وہی شخص ہوسکتا تھا، جس نے اعلان (بعثت) رسالت کے اول دن ہی جان کی بازی لگا کر جو وعدہ کیا تھا ہر قیمت پر نفس کی آخری آمد وشد تک وفا کیا ہو۔ ایسا دنیا میں سوائے رسولؐ کے چچا زاد بھائی علیؑ بن ابی طالبؑ کے کوئی دوسرا نہ تھا، لہذا مشیت ایزدی رسولؐ کے ہاتھوں علیؑ فاطمہؑ کے سفر زندگانی میں ساتھی بنا دیئے گئے۔

اولاد نرینہ میں پہلا فرزند حسنؑ پھر ہجرت کے تیسرے یا چوتھے سال دوسرا فرزند متولد ہوا! فاطمہؑ مولود کو لے کر رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ناناؐ نے حکم خدا سے بچہ کا نام حسینؑ رکھا، یہی وہ بچہ ہے جس سے بانیٔ اسلامؐ کو، اسلام کے ساتھ ساتھ اپنی نسل چلنے کی بھی امید ہے۔

ہر نانا کو اپنے نواسے سے جتنی محبت ہوسکتی ہے، دنیا جانتی ہے مگر وہاں بچوں سے محبت کا اندازہ کچھ اور ہوجاتا ہے، جہاں کسی بزرگ کی بقا، اس کے اصول کا تحفظ بھی بچے سے وابستہ ہوجائے۔

رسول اسلامؐ کے اصول کا تحفظ حسینؑ کی ذات میں مضمر تھا، لہذا رسولؐ کو حسینؑ سے کتنی محبت ہوگی؟ ظاہر ہے کہ جتنا اپنا اصول محبوب ہوگا اتنی ہی حسینؑ سے بھی محبت ہوگی!

رسولؐ کو اپنے اصول سے اتنی محبت تھی کہ دنیا کی ہر راحت اصول کی خاطر ٹھکرا دی، ہزاروں المناک مصائب اصول ہی کے لئے برداشت کئے! یہی وجہ تھی کہ پیغمبرؐ خود بھی حسینؑ سے لا انتہا محبت فرماتے اور دوسروں کو بھی حسینؑ سے محبت کا حکم دیتے تھے۔

رسول اسلامؐ کی آغوش میں حسینؑ نے آنکھ کھولی۔ اسی آغوش میں تربیت پائی جس آغوش میں اسلام پھلا اور پھولا۔ اب جانتے ہو وہ حسینؑ کون ہے؟ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ میں ہوں۔ مجھ میں اور اسلام میں کتنا ربط اور کتنا تعلق ہے، مجھ ہی کو اسلام سے اتنا تعلق ہے، جتنا ایک گود کے پروردہ دو بھائیوں کو آپس میں ہوتا ہے۔

چونکہ رسولؐ کو مجھ سے نسبی رشتہ کی بنا پر کم اور فرائض منصبی کے تقاضے کی بناء پر زیادہ محبت تھی، لہذا اکثر مواقع پر اس کا مظاہرہ بھی ہوتا رہتا تھا۔

جب کبھی اسلام یا نظام اسلام پر کوئی وقت پڑتا تھا، تو رسولؐ ہم دونوں بھائیوں کو اپنے اصول پر قربان کردینے کے لئے تیار ہوجاتے تھے۔

اس سے آپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب میں اپنے نانا کے اصول کا وارث ہونگا تو پوری طرح یہ محسوس کروں گا کہ مجھ کو اصول اسلام پر اسی طرح قربان ہوجانا چاہئے جس طرح میرے نانا مجھ کو قربان گاہ اسلام کے لئے فدیہ قرار دے دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب اسلام کی باگ ڈور غلط ہاتھوں میں پہنچ گئی اور اسلام کی ظاہری صورت بھی مٹنے لگی، تو وراثت پیغمبرؐ کے تقاضے سے مجبور ہوکر مجھے اپنی اور اپنے ہم خیال ساتھیوں، عزیزوں اور دوستوں کی قربانی پیش کرنا پڑی۔

اسی وجہ سے میں بے دھڑک کہہ سکتا ہوں کہ میں کربلا میں روز عاشور صرف حسینؑ ہی نہ تھا، بلکہ رسولؐ بھی تھا، سر تو میرا تھا مگر رسولؐ کے ہاتھ، میرا سر راہ خدا میں دے رہے تھے جسم میرا تھا مگر رسولؐ کے ہاتھ میرا جسم تیروں میں تلواروں کے حوالے کر رہے تھے۔ میں اپنے کو اپنے نانا کی نیابت قربان کر رہا تھا۔

کیا چاہتا ہوں؟

اے انسانو! اے صاحبان فکر ونظر! اے صاحبان فہم و فراست! تم یہ نہ سمجھ لینا کہ اب سے چودہ سو برس پہلے دنیا میں جو تمہاری ہی جیسی مخلوق تھی، بس میرا اسی سے کچھ سے کچھ مطالبہ تھا، اس سے میں کچھ چاہتا تھا، جو مجھے مل گیا؟ نہیں نہیں آج بھی میرا مطالبہ زندہ ہے؟ آج بھی میری مانگ اپنی جگہ پر ہے آج بھی ہوا کی طوفانی لہروں پر فضاء کے متحرک پردوں پر جو لرزتی ہوئی مرتعش رخمی آواز تمہیں اپنی مدد کے لئے بلا رہی ہے، یقین جانو میری ہی آواز ہے۔ دیکھو تو زخموں سے معمور اور درد سے لبریز سوا میرے اور کسی کی آواز ہوسکتی ہے؟ میں تمہیں اپنی مدد کے لئے بلا رہا ہوں اور قیامت تک اقوام وملل کو حریت ضمیر اور آزادی فکر کا واسطہ دے دے کر یونہی پکارتا رہوں گا۔ میری آواز پر لبیک کہنے والے میرے لشکر میں اور جواب نہ دینے والے لشکر یزید میں داخل ہوتے رہیں گے۔ یہ نہ خیال کرنا کہ پہلے والوں کو میں اس لئے بلا رہا تھا، ان سے اس وجہ سے مدد مانگ رہا تھا کہ مجھ کو تیروں تلواروں، نیزوں، بھالوں اور پتھروں سے بچایا جائے۔ اگر میں یہی چاہتا ہوتا تو بہت بڑی فوج جمع کر لیتا۔ اس لئے نہیں بلا رہا تھا، اس لئے بلا رہا تھا کہ میرے ہم خیال بنو۔ میری جیسی ذہنیت بناؤ، میرے شعور کے سانچے میں اپنی فکر ڈھالو، شرافت انسانی کے مخالف اصولوں کو ڈھانے میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔

آج بھی میں تم سے یہی چاہتا ہوں اور بس، اپنی عزت نفس کے مخالف جس اصول کو بھی دیکھو، اس کو مٹانے میں میرا ہاتھ بٹاؤ، میری مدد کرو، میرا ساتھ دو۔

میں جانتا ہوں تم صاحب عقل ہو! اپنا اچھا برا، نیکی بدی سمجھنے کی خود صلاحیت رکھتے ہو، اس کے باوجود میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ تمہارے جیسے انسان، علم کا روپ دھارے ہوئے جاہل، ترقی کی نقاب ڈالے ہوئے رجعت پسند کچھ نام نہاد انسان تم کو دھوکا دے کر پستی کے گہرے غار میں گرانا چاہتے ہیں، تمہاری شرافت کا تاج، تمہارے سر سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ بتاؤ میں اپنے سچے مشاہدہ کو کس طرح جھٹلاؤں، اپنی معصوم آنکھوں کو کیوں کر غلط بیں ٹھہراؤں؟

بتاؤ کیا انسانی شرافت کو ملیا میٹ کرنے کے لئے تم کو یہ نہیں سمجھایا گیا کہ انسان ترقی یافتہ حیوان ہے؟ کیا یہ فریب نہیں دیا گیا، کہ خود پرستی ہی حق ہے۔ شفقت ومہربانی نفس کی کمزوری اور انسانی کردار کے لئے عیب ہے[1]۔

کیا یہ باور کرانے کی کوشش نہیں ہوئی کہ انسان اجتماعی نہیں ہے، مدنی بالطبع نہیں ہے، طبعاً انسان انسان کا دشمن ہے۔ انسان جو کچھ چاہتا ہے بس اپنے لئے چاہتا ہے، دوسروں کے نقصان کے درپے ہے، ہر کام کی اصل مطلب پرستی ہے جس میں قوت زیادہ ہے وہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ سب کو چاہئے کہ طاقت کے سامنے بلا شرط ہتھیار ڈال دیں۔ (۲)

کیا یہ دھوکا نہیں دیا جاتا کہ ہم کو چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ دنیا سے فائدہ حاصل کریں۔ یہ مقصد حاصل کرنے میں اگر قساوت قلب، بے رحمی، مکر وفریب، جنگ وجدال بھی کیوں نہ کرنا پڑے تو یہ سب بہتر ہے۔

اگر اس مقصد کے حصول میں سچائی، مہربانی، پارسائی وغیرہ مانع ہوں تو یہ صفات برے ہیں، قومیں، قبیلہ، بنی نوع انسان برابر کے حقدار ہیں، ان کے حقوق میں تساوی ہے؟ یہ بات غلط اور یہ عقیدہ انسان کو ترقی سے روک دیتا ہے۔ چاہئے کہ یہ انسان دو ٹکڑیوں پر بٹ جائیں: ایک قوت وجبروت والی جماعت، ایک کمزور وناتواں۔

حقیقت میں شرف وبزرگی قوت داروں کے لئے ہے۔

---

(۱) Nietzsche (۱۸۴۴ء ۱۹۰۰ء)

(۲) Thomas Hobbes (۱۵۸۸ء ۱۶۷۹ء)

وجود کی غرض قوت دار لوگ ہیں، کمزور قوت داروں کے آلات کے مثل ہیں، قوت داروں کے مقاصد کے حصول کا ذریعہ وسبب ہیں۔

تصور خدا اور فکر آخرت نفس کی کمزوری و مجبوری کی نشانی ہے۔نرم دل ہونا، مہربان ہونا، انکساری کرنا، بردبار ہونا، معاف کردینا، چشم پوشی کرنا بے ہمتی، سستی وکاہلی کا نتیجہ ہے۔انسان کو چاہئے کہ مرد بنے، کمزور کو چھوڑ کر رکھنا چاہئے تاکہ وہ از خود ختم ہو جائے اور یوں دنیا پاک ہوجائے اور ناتواں طاقتور کے کندھوں کا بار اور سنگ راہ نہ بن سکے۔ (Ietzsch(۱۸۴۴-۱۹۰۰)

تم نے کچھ غور کیا، تم کو کیا سمجھا جارہا ہے؟ کیا یہ طلب ہوش کا جنوں نہیں، جس نے اپنے ہاتھوں خود اپنے گریبان کو تار تار کرلیا ہے؟ کیا میں تم کو بتلاؤں کہ تم کون ہو! یقیناً تم جسم ہو، مگر پھر بھی تم پتھر نہیں ہو، انسان ہو، تم میں بڑھنے کی صلاحیت ہے، مگر تمہارا نام درخت نہیں، تم چل پھر، دیکھ، سن سکتے ہو، تم میں توالد و تناسل ہے، پھر بھی تم جانور نہیں ہو، تم انسان ہو انسان!

یاد رکھو اگر تم میں صرف جسم وجسمانیت ہی ہوتی، اس سے زیادہ کچھ نہ ہوتا تو تمہارا نام پتھر ہوتا، مٹی ہوتا، اگر تم میں صرف بڑھنے پھیلنے ہی کی قوت ہوتی تو خود اگر اپنا نام اچھے سے اچھا نام بھی تم ڈھونڈتے، تو کسی پھول کا رنگین نام اپنا لیتے اس سے زیادہ کچھ نہ ہوتا تم اگر صرف کھا پی دیکھ سن ہی سکتے ہو تو خود پکار کے کہتے کہ ہمارا نام حیوان ہے، جانور ہے۔ کبھی اپنے کو انسان نہ کہتے۔

تم انسان ہو تو کیوں؟ آؤ میں تم کو بتاؤں تم میں جماد، نبات، حیوان، بلکہ نوری مخلوق (ملک) سے بھی زیادہ، ایک قوت ہے۔ اسی قوت کے تقاضے سے مجبور ہو کر تم نے اپنا نام انسان رکھا ہے۔

یہ قوت کیا ہے؟ اگر مجھ سے پوچھو گے تو میں اس کا نام روح ونفس ناطقہ بتاؤں گا، مگر ترقی کی ہوسنا کیوں میں تھپیڑے کھاتی ہوئی تمہاری ذہنیت، ان پرانی لفظوں میں ہزاروں کہنہ سڑی ہوئی لاشوں کی بدبو محسوس کرے گی، اور قبول نہ کرے گی۔اچھا اچھا لفظ بدل دو، اس کو کوئی دوسرا نام دے دو۔ مگر یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ دوسروں کے پاس ایک وہ قوت نہ تھی، جو تم میں ہے۔

تم اپنے کو انسان کہتے ہو! تو خود سوچو۔ اگر حیوان، نبات، جماد ہی جتنی قوتیں تمہارے پاس ہوتیں، تو تم کبھی ترقی نہ کرسکتے! جیسے حیوان نے ترقی نہ کی، نبات نے ترقی نہ کی، جماد نے ترقی نہ کی، تم نے ترقی کیوں کی؟ کیا حیوان جس طرح سے اب سے ہزاروں سال پہلے اپنا مسکن بناتا تھا، آج بھی اسی طرح نہیں بناتا؟ کیا اس کے رہن سہن میں علم کی روشنی سے ترقی ہوئی؟ آخر تم کیوں آگے بڑھ گئے، تم کیوں بلڈنگیں، وہ بھی منٹ کے منٹ میں تعمیر کرنے لگے، تم کیوں آسمان کی بیکراں وسعتوں تک پر کمند عمل ڈال دی، پہلے جیسے انسان نما جانور کیوں نہ باقی رہے؟ خود سے پوچھ کر جواب دو؟ اگر تمہاری زبان خاموش ہے، تو پھر میری بات مان لو، کہ تم میں سب سے زیادہ ایک قوت ودیعت ہوئی ہے۔

یاد رکھو جہاں جہاں کسی نئی قوت کا اضافہ ہوا ہے، وہاں صفاتی ترقی بھی ہوئی ہے۔ جماد کی قوتوں سے زیادہ، نبات میں قوتیں ہیں، تو اس میں جماد سے زیادہ صفتیں بھی ہیں۔ حیوان میں نبات سے زیادہ قوتیں ہیں، تو صفتیں بھی زیادہ ہیں۔ اسی طبعی تقاضے کی بنا پر جب انسان میں سب سے زیادہ قوتیں ہیں، تو صفتیں بھی سب سے زیادہ ہونا چاہئیں۔ اب بتاؤ کیا خود پرستی حیوانی صفت نہیں، شفقت مہربانی سے خالی ہونا حیوانی بات نہیں؟ وحشت حیوانی خاصہ نہیں؟ قوت دار کو بس جینے کا حق ہے، حیوانی طرز نہیں؟ مطلب براری کے لئے قساوت و بے رحمی، حیوانی اصول زندگی نہیں؟ کمزور کو چھوڑ دینا تاکہ وہ ختم ہوجائے، حیوانیت نہیں؟ تصور خدا و آخرت نہ ہونا طبیعت حیوانی نہیں؟ سب صفات حیوانی ہیں۔ تم کو ان صفات سے بری ہونا چاہئے، کیونکہ تم انسان ہو! کائنات میں تمہاری اپنی ایک امتیازی شان، ایک انفرادی منزلت ہے! فلسفیانہ نقاب ڈال کر تم کو دھوکا دینے والے تمام انسانوں کا مکمل جواب میری قربانی ہے۔

رحم وکرم نفس کی کمزوری ہے؟ دیکھو مجھ کو دیکھو، میں رحیم ایسا ہوں کہ میرا وہ دشمن جو گھیر کر قید کر کے ذلت وخواری سے، مجھ کو میرے بڑے دشمن کے پاس لے جانے آتا ہے، مگر وہ اور اس

کے ساتھی پیاسے ہیں، جاں بلب ہیں، کون ہے یہ؟ حر بن یزید ریاحی، قادسیہ سے تین میل کے فاصلہ پر مجھ سے ملتا ہے۔ میں صحرا کی تپش، ریگستان کے آتشی طوفانوں، ہواؤں کی شعلہ باریوں کا کوئی لحاظ نہیں کرتا، حر کے ساتھیوں، سواری کے گھوڑوں تک کو سیراب کردیتا ہوں۔ بتاؤ کیا یہی وقت میرے اوپر نہیں پڑسکتا تھا؟ سب کچھ ہوسکتا تھا! مگر میرے دل میں انسان کی عزت تھی، میں انسان کی جان کی قیمت جانتا تھا، میں ایثار کو قوت نفس سمجھتا تھا، میں رحم کو ارادوں کی مضبوطی جانتا تھا۔ یہ ہے میرا رحم و کرم، اب تم کو اپنی انکساری دکھاؤں؟ میں حُر سے خواہش کرتا ہوں کہ وہ اپنے ساتھیوں کو میری موجودگی میں نماز پڑھائے، اور یہ ہے میری قوت نفس کہ جس اصول کا پیامبر حُر تھا اس اصول کو ماننے سے سخت سے سخت انکار کرتا ہوں، اپنے کو حُر کے ہاتھوں سپرد نہیں کردیتا۔

یاد رکھو نفس کی کمزوری، باطل کے سامنے طاقت کے دباؤ سے سر جھکا دینے کو کہتے ہیں۔ بتاؤ اگر رحم نفس کی کمزوری کا نتیجہ ہی ہوتا تو میں جان بچانے کے لئے یزیدی اصول کے سامنے سپر انداختہ نہ ہوجاتا؟ میں نے فوجوں کے امنڈتے سیلابوں میں اپنے کو، اپنے دل کے ٹکڑوں کو، دوستوں کو غرق ہوجانے دیتا، لیکن غلط نظریہ کے سامنے سر جھکانے کا تصور بھی نہ کیا۔

اب بتاؤ رحم و کرم نفس کی کمزوریوں کا کرشمہ ہے، یا انتہائی قوت نفس کا اعجاز؟

ہاں سنو، اور غور سے سنو، رسولؐ کے اصول کے مخالف بنی امیہ تھے۔ جب کھلی مخالفت پروان نہ چڑھ سکی تو اقتدار طلب بنی امیہ کی ذہنیت نے ان کے چہروں پر اسلام کی نقاب ڈلوادی۔ بنی امیہ مسلمان بن کر اسلام کی گھات میں رہنے لگے، یہاں تک کہ وقت کی ایک ٹھوکر نے بنی امیہ کو اسلام کا کرتا دھرتا بنادیا۔ اب کیا تھا پرانے دشمن کے ہاتھ میں جب اسلام کی باگ ڈور آگئی تو خوب پرانی عداوتیں نکالی گئیں، اسلام کو پوری طرح پائمال کیا گیا۔ پھر یزید کی تخت نشینی تو اسلام کے لئے تابوت کی آخری کیل، ترکش کا آخری تیر ثابت ہوئی، اب میرے ادائے فرض کا وقت آپہنچا تھا۔ پانی سر سے اونچا ہوچکا تھا۔ میں نے کسی نقطہ پر یزید سے صلح کیوں نہ کرلی، جبکہ میرے بھائی یزید کے باپ معاویہ سے صلح کرچکے تھے؟

میں اسی طرح صلح کرلیتا، جیسے میرے بھائی نے صلح کی تھی مگر میرے بھائی سے مطالبہ صلح تھا، اور مجھ سے مطالبہ بیعت تھا، صلح کسی شخصیت سے سمجھوتے کو کہتے ہیں اور بیعت کسی نظام کے سامنے خود فروشی و سپردگی کو کہتے ہیں، تو میرے بھائی معاویہ سے صلح کرسکتے تھے، مگر میں یزیدی نظام کے ہاتھ اپنے کو نہیں بیچ سکتا تھا۔ اس سے تم کو یہ بھی سمجھنا چاہئے، کہ میرے بھائی دل کے کمزور نہ تھے، اگر ان سے بھی سوال بیعت ہوتا تو یقیناً ان کے سینے میں بھی اتنی ہی قوت والا دل تھا، جتنا قوی دل میرے سینہ میں تھا، وہ بھی ویسے ہی آہنی کردار کے مالک تھے جیسے عمل کا مجھ سے مظاہرہ ہوا۔ مجھے انکار بیعت کی کیا قیمت دینا پڑی؟

سب سے پہلے سوال بیعت مدینہ میں اٹھایا گیا، میں نے سختی سے انکار کیا، جس کے نتیجہ میں اپنے وطن کو بھی خیرباد کہنا پڑا۔ پھر مکہ اور حج جیسی مقدس عبادت سے محرومی بھی انکار بیعت ہی کی قیمت تھی۔ پھر مکہ سے کوفہ کی سمت سفر، تم کو لفظ سفر سن کر، کوئی تعجب نہ ہوا ہوگا، بھلا بیسویں صدی کا انسان اب سے تیرہ سو سال پہلے کے سفر کی اہمیت وصعوبت کا کیا تصور کرسکتا ہے؟ اس وقت ٹرین کے آرام دہ کمپارٹمنٹ نہ تھے، فضاؤں پر تیرتے ہوئے ہواؤں کی دوش پر ہلکورے کھاتے ہوئے ہوائی جہاز نہ تھے۔ اونٹوں، گھوڑوں پر سفر ہوتا تھا، یہ بھی کوئی پختہ سڑک پر راہ پیمائی نہ ہوتی تھی، ریگستان کے جھلستے ہوئے ذروں اور بھنتی ہوئی شعلہ ریز ہواؤں کے ماحول میں سفر ہوتا تھا، پھر سن رسیدہ بوڑھے، پھول سے بچے، گرم مزاج اٹھتی جوانیوں والے، ناز و نعم کی پروردہ پردار عورتیں! تصور کرو کیا عالم ہوگا۔ یہ سب بیعت نہ کرنے کی قیمت تھی۔

پھر کربلا کی جھلستی ہوئی زمین اور ہو مارتے ہوئے ویران

صحرا تک بھی میں پہنچ گیا۔ میرے خون کے پیاسے میرے اصول کے دشمن، ٹڈی دلوں کی طرح زمین کربلا پر ٹوٹنے لگے، چار ہزار، چھ ہزار، دس ہزار، بیس ہزار، پھر تیس ہزار، کیوں؟ میں نے اپنے کو اپنے اصول کو شرافت انسانی کو ننگ کائنات یزید کے ہاتھوں سپرد کر دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ساتویں محرم ۱۶ ھ کی وہ اندوہناک تاریخ ہے، جس سے ہم بیکسوں پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔

اگر آج ہی میں بیعت کر لیتا، تو پیاس کی شدت سے کمہلائے ہوئے پھول سے بچے پھر زندگی سے ہم آغوش ہو سکتے تھے، تشنہ لب عورتوں کے سوکھے ہوئے لب تر ہو سکتے تھے، اگر عاشور کی المناک رات میں بیعت کر لیتا تو صبح عاشور کی ہنگامہ خیزیاں نہ دیکھنا پڑتیں، اگر قریب عصر بیعت کر لیتا، تو قاتل کے کند خنجر کی جنبشوں کی اذیت سے بچ جاتا، اگر بعد عصر گردن کی بریدہ رگوں سے بیعت کر لیتا تو اہل حرم بے پردگی و قید و حبس کی مصیبت سے بچ جاتے، مگر یاد رکھو پھر ہم زندگی کے حقیقی احساس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور ہو جاتے۔ آج چاہے کوئی ہم کو مردہ سمجھ لے مگر ہم زندہ ہیں، زندہ رہیں گے اور دوسروں کو زندگی سے ہم آغوش بناتے رہیں گے۔

اے انسان! اے مادی و مادیات میں جکڑے ہوئے انسان! تجھے دولت کے آتاہ سمندروں کا واسطہ، تجھے کرسی اقتدار کی قسم، تجھے شعبدہ ترقی کی سوگند، تجھے مشرق و مغرب کی بھول بھلیوں کا واسطہ، غور کر، سوچ اور اپنے مردہ شعور کو حرارت زندگی بخش۔ بتا، کیا خدا پرستی رحم و کرم، دین و مذہب، ایثار و قربانی سب تجھے نفس کی کمزوری نظر آتے ہیں۔

بھلا دیکھو تو! میرے ساتھیوں نے زندگی کی اس رات کو کیوں کر بسر کیا تھا، جس کی میں نے عبادت خدا کے لئے اجازت لی تھی، شبِ عاشور عبادت ہی کے لئے تو مہلت لی تھی۔

رات بھر ہم نے عبادت خدا کی، ہر شہید نے اپنی آخری سانسوں تک اپنا وعدہ نبایا۔ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے دنیا سے اٹھے، میں نے قاتل کے خنجر کی اذیتوں میں اپنے اللہ کو یہ کہہ کر پکارا، لا معبود سواک، ہم وہ تھے جنھوں نے تیروں کے امنڈتے ہوئے سیلابوں میں تلواروں کی تڑپتی ہوئی بجلیوں میں، ڈھالوں کی گھنگھور گھٹاؤں میں، کمانوں کی کڑک میں صفیں جما کر نماز باجماعت پڑھی، جب تک ہم خاموش رہے، خدا کے لئے خاموش رہے، جب ہم نے لب کشائی کی تو اسی کی خاطر بولے۔ ایسی تھی ہماری خدا پرستی، اور وہ ہم ہی تھے کہ جب تلواریں سونت کر، نیزے سنبھال کر، انیاں تول کر تین دن کے بھوکے اور پیاسے ہوتے ہوئے فوج مخالف پر جا پڑے، تو تیس ہزار کی منظم و مرتب، تربیت یافتہ فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ میدان خالی کرا لئے، الامان والحفیظ کی صدائیں بلند کرا دیں۔

تو بتاؤ کیا ہم میں خدا پرستی نہیں؟ کیا ہم میں نفس کی کمزوری نظر آتی ہے؟

اگر نہیں تو مان لو کہ انتہائی خدا پرست ہی لا اندازہ بے جگری کا مالک ہوتا ہے۔ ایک بہت بڑا رحیم ہی، بہت بہادر بھی ہوتا ہے، ایک بہت بڑا خدا ترس و منکسر المزاج ہی، میدان جنگ میں لوہے کی دیوار ثابت ہوتا ہے۔

اے فرزندانِ آدم!، اے فخر کائنات و اشرف المخلوقات! میں تجھ سے ایسی شجاعت چاہتا ہوں جس کے ساتھ رحم و نرم دلی ہو۔ ایسی پامردی چاہتا ہوں، جس کے ساتھ انکسار ہو، ایسی بے جگری چاہتا ہوں جس کے ساتھ خدا پرستی ہو۔ میں تجھ سے یہ چاہتا ہوں کہ جو تو ہے وہ بن جا، اگر انسان ہے تو انسان بن، آ آ۔۔۔ وہ دیکھ وہ، یہ جو آسمان کی نیلاہٹ ہے نا، یہ نظر کا دھوکا ہے۔ یہ ہے میرے نیلگوں پرچم صلح و امن کا عکس، بس دل سے میرے اصول کو مان لے۔ تو جس ملک کا بھی رہنے والا ہو، جس زبان کا بھی بولنے والا ہو، جس رنگ کا ہو، جس نسل جس قوم سے تعلق رکھتا ہو، میرے اصول کی عظمت کو ایک سجدہ تعظیمی کر لے اور بس۔ پھر تو میرا ہوگا، میری فوج کا بے جگر سپاہی ہوگا، میں اور میرا جو کچھ ہے سب تیرا اور تیرا ہوگا۔

❁❁❁